ISSN:2394-7381

ہماری آواز
دبستان میرٹھ _ شاعری

یو جی سی کی کیئر لسٹ میں شامل جرنل
جولائی تا دسمبر 2022
مشترکہ شمارہ:22-21
جنوری تا جون 2023

سرپرست اعلیٰ : پروفیسر سنگیتا شکلا (شیخ الجامعہ، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
سرپرست : پروفیسر وائی وملا (سابق نائب شیخ الجامعہ، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
پروفیسر نوین چندلوئی (ڈین فیکلٹی آف آرٹس، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
مدیر اعلیٰ : پروفیسر اسلم جمشید پوری (صدر، شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
مدیرہ : ڈاکٹر شاداب علیم (شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
نگراں : ڈاکٹر آصف علی (شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
مشیر : ڈاکٹر ارشاد سیانوی (شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ)
ایڈیٹوریل بورڈ : فرح ناز (ریسرچ اسکالر)، گلناز، (ریسرچ اسکالر) شاہِ زمن (ریسرچ اسکالر)
عظمیٰ پروین (ایم۔اے سال دوم)، دل کش (ایم۔اے سال دوم)، فاروق شیروانی (ایم۔اے سال دوم)
کمپوزنگ : سعید احمد سہارنپوری (سی، سی، ایس، یونیورسٹی، میرٹھ)، محمد شمشاد (سی سی ایس یو)
قانونی مشیر : پروفیسر انجلی متل (ڈین فیکلٹی آف لا، سی، سی، ایس، یو، میرٹھ) ڈاکٹر محمد شعیب (ایڈووکیٹ)
مجلس ماہرین : EXPERT PANNEL
☆ محترم عارف نقوی (جرمنی) ☆ پروفیسر قدوس جاوید (کشمیر یونیورسٹی)
☆ پروفیسر یوسف عامر (سابق وائس چانسلر جامعہ ازہر، مصر) ☆ پروفیسر ارتضیٰ کریم (ڈین فیکلٹی آف آرٹس، ڈی یو)
☆ پروفیسر محمد غلام ربانی (ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش) ☆ پروفیسر انور پاشا (جے۔این۔یو، نئی دہلی)
☆ پروفیسر شبنم حمید (الہ آباد یونیورسٹی) ☆ پروفیسر کوثر مظہری (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

قیمت: خاص شمارہ: -/600 Rs. مجلد: -/650 بیرونی ممالک 10 امریکی ڈالر 20 سعودی ریال
ناشر : پروفیسر اسلم جمشید پوری

شعبۂ اردو : چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ
URL: http://ccsuniversity.ac.in/ccsu/adminSdept/
duccsumrt@gmail.com, aslamjamshedpuri@gmail.com,
muhammadshamshadinfo@gmail.com
09456259850, 9759238472 , 9639987872, 9520500843

Scanned with CamScanner

فہرست

میرٹھ میں اردو نظم

مدیر اعلیٰ کے قلم سے	پروفیسر اسلم جمشید پوری	6-10
اداریہ	ڈاکٹر شاداب علیم	11-17
افضل جھنجھانوی کی بکٹ کہانی: ایک تجزیاتی مطالعہ	پروفیسر عابد حسین حیدری	18-29
دلمیر میرٹھی: میرٹھ کی شعری روایت کی اساس	ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین	30-32
بیاں میرٹھی کی نظمیہ شاعری: ایک جائزہ	ڈاکٹر شبستاں آس محمد	33-38
جدید نظم کی احیاء میں اسماعیل میرٹھی کا حصہ	ڈاکٹر شاداب علیم	39-50
ندرت میرٹھی: اردو شاعری میں ندرت کا ترجمان	ڈاکٹر فرحت خاتون	51-62
ساغر نظامی: نظمیہ شاعری کا عمیق ساغر		63-77
احسان دانش: شاعر فطرت	راحت علی صدیقی قاسمی	78-81
حامد اللہ افسر میرٹھی کی نظمیہ شاعری	گلناز	82-87
روحانی و اخلاقی قدروں کا المیہ اور حفیظ میرٹھی کی نظم ''ارتقاء''	ڈاکٹر آصف علی	88-96
حقی حزیں کی نظمیہ شاعری کی انفرادیت	پروفیسر مظفر حنفی	97-101
متین طارق باغبتی کا اسلوب بیان	پروفیسر احمد سجاد	102-110
ڈاکٹر انجم جمالی: ایک ہمہ جہت شخصیت	محمد شہاب الدین	111-113
آلم مظفر نگری کی شاعری پر ایک نظر	ڈاکٹر محمد مستمر	114-119
رفعت سروش کی نظم نگاری	ڈاکٹر گلستاں	120-127
حقوق نسواں اور فہمیدہ ریاض	ڈاکٹر شوبی زہرا نقوی	128-136
زاہدہ زیدی کا شعری انفراد	پروفیسر شمیم حنفی	137-140
میرٹھ کا ایک انوکھا اور البیلا شاعر: طالب زیدی	پروفیسر اسلم جمشید پوری	141-148
عصری حسیت کا شاعر: سید اطہر الدین اطہر	ڈاکٹر فرحت خاتون	149-157

Scanned with CamScanner

پروفیسر عابد حسین حیدری

افضلؔ جھنجھانوی کی بکٹ کہانی: ایک تجزیاتی مطالعہ

۱۶۲۵ء میں شمالی ہند میں افضلؔ جھنجھانوی ادبی دنیا کو 'بکٹ کہانی' جیسا شاہکار دینے کے بعد اس دنیا سے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ سترھویں صدی میں افضلؔ کی یہی کہانی اردو ادب کی تاریخ کا سب سے درخشاں تخلیقی کارنامہ تھا۔ یہ وہ دور ہے جب ہندوستان پر جہاں گیر حکمراں تھا، دکن میں بیجاپور کی ریاست پر ابراہیم علی عادل شاہ ثانی اور گولکنڈہ میں محمد قطب شاہ کا دور حکومت تھا۔ محمد قطب شاہ کے دور حکومت میں ۱۶۲۵ء میں دکنی شاعر غواصیؔ نے 'سیف الملوک بدیع الجمال' تخلیق کی جسے دکنی ادب کا بہترین کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ غواصیؔ کی 'سیف الملوک بدیع الجمال' اور افضلؔ کی 'بکٹ کہانی' کا تقابلی مطالعہ کیجئے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ سترہویں صدی کے ربع اول تک دکنی نظم لڑکھڑا رہی تھی۔ لسانی سست روی نے اسے اظہار و ابلاغ کی برتر صلاحیتوں سے دور رکھا تھا۔ غواصیؔ کے اظہار میں وہ لسانی موانست پیدا نہیں ہوسکی ہے جو پڑھنے والے کی توجہ کو جذب کر سکے۔ اسلوب کی قدامت پسندی اور مقامی اثرات سے چمٹے رہنے کے سبب غواصیؔ کی نظم اثر انگیزی کی ان کیفیات کو پیدا نہ کرسکی ہے جو اس سے قبل لکھی جانے والی نظم 'بکٹ کہانی' کا حسن ہے۔ اسی لیے حافظ محمود شیرانی 'بکٹ کہانی' اور دکنی شعرا کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

> ''اس (بکٹ کہانی) کی زبان دکنی سے مختلف ہے۔ اگرچہ بہت کچھ مشابہ ہے لیکن ایسے غریب الفاظ سے پاک ہے جو دکنی مثنویات 'لیلیٰ مجنوں' اور امین کی 'یوسف زلیخا' میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اردو زبان دکنی زبان سے بہت پہلے منجھ کر صاف ہو چکی تھی۔''

Scanned with CamScanner

(ڈاکٹر مسعود حسین مرتب قدیم اردو: حیدرآباد: عثمانیہ یونیورسٹی، ۱۹۶۵ء، جلد اول، ص: ۳۳۸)

ان دنوں ہر چھوٹے بڑے ادیب پر تحقیقی مقالہ لکھا جا رہا ہے۔ معمولی معمولی لوگوں پر متعدد کتابیں اور مقالے سپرد قلم ہو رہے ہیں لیکن افضلؔ پر میری معلومات کے مطابق ایک بھی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔ ان کے بارے میں اب تک کوئی کتاب بھی میرے مطالعے میں نہیں آئی ہے۔ افضلؔ کے بارے میں صرف دو سربرآوردہ لوگوں کی تحریریں ہیں، لیکن وہ دونوں دراصل 'بکٹ کہانی' کے ایڈیشن ہیں۔ پہلا متن تو حافظ محمود شیرانی کا قائم کردہ ہے جو مضمون کی شکل میں ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا بعدہٗ مقالات جلد دوم میں بھی شائع ہوا۔ اس کے بعد مسعود حسین خاں نے اسے قدیم اردو نمبر (۱) حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی نے ۱۹۶۵ء کی شکل میں نکالا۔ یہی متن بعد میں شعبۂ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے دور بار اور یوپی اردو اکیڈمی لکھنؤ نے مسعود حسین خاں اور نورالحسن ہاشمی کے نام سے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔

ہمیں جمیل جالبی، گیان چند جین، تنویر احمد علوی اور تبسم کاشمیری کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے افضلؔ پر معتد بہ صفحات صرف کیے۔ اگرچہ ان میں تنقیدی تجزیہ کافی و وافی نہیں ہے۔ افضلؔ کی شاعری کا اعتراف میر حسن نے کیا ہے لیکن بہت اختصار کے ساتھ:

> ''محمد افضل، افضلؔ تخلص، دور قدیم کے ہیں۔ گوپال نام کوئی ہندو بچہ تھا، اس پر عاشق ہو کر اپنے حسب حال 'بارہ ماسہ' عرف 'بکٹ کہانی' لکھا۔ اکثر کھتری اور گانے والیاں اس کی شائق ہیں [کلام میں] نصف فارسی رکھتے ہیں اور نصف ہندی، لیکن قبولیت دادالٰہی ہے [ان کا کلام] دلوں پر اثر کرتا ہے۔''

(میر حسن، تذکرہ شعرا (۱۷۷۴ء/۱۷۷۹ء) مرتبہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی، انجمن ترقی اردو: ۱۹۲۱ء: ص، ۴۱)

میر حسن نے بارہ ماسہ کے دو شعر بھی نقل کیے ہیں۔ میر حسنؔ سے پہلے قائمؔ نے افضلؔ کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے:

> ''محمد افضلؔ مردے است از سکان دیار مشرق اگرچہ ربط کلامش چنداں مضبوط و مربوط نیست، لیکن از آنجا کہ قبول بے سبب دروے غصب خاصہ جناب ازلی است، تصنیفاتش بمرتبہ موثر دلہا است کہ از خیر تحریر و تقریر متجاوز است و مثنوی 'بکٹ کہانی' بر صفحہ روزگار از وے یادگار است۔''

Scanned with CamScanner

(مخزن نکات: مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، ۱۹۲۹ء، ص:۳)

اردو ادب کے جدید دور میں افضلؔ اور بکٹ کہانی کے بارے میں پہلی بار حافظ محمود شیرانی نے سنجیدگی کے ساتھ تحقیقی کام کیا تھا۔ لگ بھگ تین سو سال بعد ۱۹۲۶ء میں جب شیرانی نے افضلؔ کے بارے میں کچھ لکھنا چاہا تو تحقیقی مواد کی عدم موجودگی کے سبب انھوں نے لکھا کہ محمد افضلؔ کے حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں۔ اس تاریکی میں ان کو والہؔ داغستانی کے تذکرے 'ریاض الشعراء' سے کچھ موہوم سی روشنی کی کرن نظر آئی۔ والہؔ نے افضلؔ کو باشندۂ پانی پت لکھا تھا اور ایک ہندو لڑکی کے ساتھ اس کے عشق کی داستان بھی لکھی جس کی تفصیل جمیل جالبی، گیان چند جین اور تبسم کاشمیری نے شیرانی کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے 'پنجاب میں اردو' محمود شیرانی، اسلام آباد مقتدرہ، ۱۹۸۸ء، ص:۱۹۲-۱۹۰)

مدتوں تک افضلؔ کے بارے میں معلومات کا دائرہ والہؔ کے بیان تک ہی محدود رہا چنانچہ ۱۹۶۵ء میں جب ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے 'قدیم اردو' حیدرآباد دکن سے شائع کی تو اس میں 'بکٹ کہانی' کے ساتھ یہ عشقیہ داستان بھی شامل کی۔

اردو میں شیرانی کی تحقیق کے بعد افضلؔ پر کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مقالے 'رحمت قطبی کے تیرہ ماسہ' سے ایک شعر 'پنجاب میں اردو' میں نقل کیا جو یہ ہے:

اوسیں افضلؔ کہ جس کا نانو گوپال ☆ کیا ہے نارنولی صاحب حال

اس شعر کو دیکھ کر عبدالغفار شکیل نے یہ لکھ دیا ہے کہ افضلؔ کا نام گوپال تھا اور وہ نارنول کا رہنے والا تھا۔ افضلؔ کے بارے میں اس کے بعد ڈاکٹر پرکاش مونس نے اپنی کتاب 'اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' میں والہؔ داغستانی کی بیان کردہ عشقیہ روایت کو بالکل غلط قرار دیا۔ (اردو ادب پر ہندی کا اثر، ڈاکٹر پرکاش مونس، الہ آباد ۱۹۷۸ء، ص:۱۳۷-۱۳۶)

اسی کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر گیان چند جین نے 'تاریخ ادب اردو' کی پانچویں جلد جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ افضلؔ کے ہندو الاصل اور نارنول کے شہری ہونے پر اصرار کیا۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے نام سے 'بکٹ کہانی' کا جو نسخہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا، اس میں ہاشمی اس تنازعہ سے بچنے کے لیے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ مختلف تذکروں میں نارنول، پانی پت، جھنجھانہ اور تھانیسر یہ چار مقامات افضلؔ کے وطن کے سلسلے میں بتائے گئے ہیں۔ یہ سب مقامات ایک دوسرے سے زیادہ دور نہیں

Scanned with CamScanner

ہیں۔ پانی پت، تھانیسر اور نارنول تو ہریانہ کے صوبے میں آتے ہیں اور جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میرٹھ کے قریب یوپی میں ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے مطابق 'والہ' کی فراہم کردہ معلومات سے افضل کی شخصیت اور حالات کی بہت سی گتھیاں کھل جاتی ہیں۔ اس بات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ افضل نواح دہلی یعنی پانی پت کے رہنے والے تھے۔' ڈاکٹر مسعود حسین خاں افضل کی 'بکٹ کہانی' کی زبان کو کھڑی بولی یا اس سے ملحقہ علاقے کی زبان تو تسلیم کرتے ہیں لیکن افضل کا جھنجھانہ کے ساکن ہونے میں انھیں تامل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ افضل کے ساکن جھنجھانہ کو سب سے پہلے اسپرنگر نے نقل کیا ہے اور اس میں انھوں نے ماخذ نہیں بتایا ہے کہ کس بنا پر افضل جھنجھانہ کے رہنے والے ہیں جبکہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے 'بکٹ کہانی' کی اشاعت کے لیے جس نسخے کو بنیاد بنایا ہے وہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کا نسخہ نمبر (۹) ہے، جس پر سن کتابت ۱۲۴۰ھ یوم جمعہ (مطابق ۱۸۲۴ء) درج ہے۔ اس نسخے کے تعلق سے ڈاکٹر مسعود حسین کا خیال ہے کہ یہ نسخہ نہ صرف سب سے قدیم ہے بلکہ مستند بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا کاتب کھڑی بولی کے علاقے گڑھ مکتیشور ضلع میرٹھ کا متوطن ہے۔ یہاں پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے کاتب کو گڑھ مکتیشور کا تو بتایا ہے لیکن نام بتانے کی زحمت نہیں کی تاکہ کاتب کے بارے میں تحقیق کی جاتی کہ کاتب کس پائے کا علم رکھتا تھا تاکہ افضل کے وطن کی گتھی سلجھ جاتی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ 'افضل کے متعلق اس ابتدائی معلومات پر اب تک جو غلط بیانیاں ہوتی رہی ہیں اس کی تمام تر ذمہ داری اسپرنگر پر ہے۔' جس نے شاہان اودھ کے کتب خانے کی فہرست ۱۸۵۴ء میں شائع کی تھی جس میں قائم کے حوالے سے افضل کے بارے میں یہ بیان دیا ہے:

> ''افضل، محمد افضل، ساکن جھنجھانہ جو میرٹھ سے دور نہیں ہے۔ یہ ایک غیر معروف شاعر نہیں تھے اور زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھے۔ قائم نے لکھا ہے کہ یہ عبداللہ قطب شاہ سے پہلے گزرے ہیں جو سنہ ۱۰۲۰ھ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک نظم لکھی ہے جس کا نام 'بکٹ کہانی' ہے۔ اسکا ایک نسخہ لندن کے انڈیا ہاؤس میں موجود ہے۔'' (یادگار شعرا، اسپرنگر، مترجم طفیل احمد، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۴۳ء)

Scanned with CamScanner

انیسویں صدی کے آغاز میں افضل کے سلسلے میں ایک اہم حوالہ افضل کے ایک عقیدت مند اور ہم مشرب عبداللہ انصاری کے 'بارہ ماسہ' میں ملتا ہے جو ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کے آس پاس کی تصنیف ہے (جس کا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے) اس میں انھوں نے افضل کو خراج عقیدت پیش کیا ہے:

سراسر اہل عرفاں شاہ افضل
نہایت کامل و یکتا و اکمل
انھوں نے اک بکٹ لکھی کہانی
کیا جس میں بیاں سوز نہانی
بکٹ پیچیدہ رستہ ہے برادر
سمجھ لے رَہ طریقت کو سراسر
زنانی بولی ہے اس کی پیاری
جسے سن کر ہو دل میں بے قراری

افضل کی 'بکٹ کہانی' سترہویں صدی کا پہلا ادبی ولسانی نقش ہے۔ 'بکٹ کہانی' ریختہ گوئی کا نکھرا ہوا روپ ہے۔ اس میں فارسی زبان کی بے دریغ آمیزش اور ہندی اسلوب و انداز بیان کا ملا جلا رنگ ہے۔ افضل فارسی کے باکمال شاعر تھے اس لیے ہندوی آہنگ کو فارسی طرز سے ملانے میں بے انتہا کامیاب نظر آتے ہیں۔

'بکٹ کہانی' دراصل ہندوستانی موسموں جن میں جاڑا، گرمی اور برسات شامل ہیں، پر مشتمل بارہ مہینوں کی کیفیت کا بیان ہے، جو ایک جدائی کی ماری ہوئی عورت یا دوشیزہ اپنے محبوب کے فراق میں سناتی ہے۔ 'بارہ ماسہ' موسم باراں کے پہلے مہینے اساڑھ یا ساون سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں فراق کی ماری ہوئی عورت ہر مہینے کا بیان انتہائی دردانگیز انداز میں کرتی ہے۔

'بارہ ماسہ' لکھنے کی روایت عربی یا فارسی میں نہیں ملتی۔ یہ قطعی ہندوستانی صنف ہے اور ہندوستانی زبانوں میں کثرت سے 'بارہ ماسہ' لکھے گئے ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے 'اردو کا ابتدائی زمانہ' میں لکھا ہے کہ 'سب سے پہلا بارہ ماسہ مسعود سعد سلمان نے لکھا اور ان کے بعد غالباً افضل نے۔ اردو میں وہ بہرحال پہلے ہیں۔' افضل کے کردار و رجحان اور تصور جمال کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ 'بارہ ماسہ'

Scanned with CamScanner

کی صنف سے بہتر اور کوئی صنف نہیں ہوسکتی تھی، جس میں وہ اپنے تصورات، حسن و عشق اور اپنے ذاتی تجربات کو بیان کر سکتے تھے۔

افضلؔ یا افضلؔ کے تذکرہ نگار کہیں ان کے محبوب کا نام نہیں بتاتے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ معشوق ہندی کے عشق نے انھیں ہندو تہذیب اور مذہب کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا۔ انھوں نے متھرا میں نہ صرف ہندو رسومات، تہواروں اور ہندو روایات کا مشاہدہ کیا ہوگا بلکہ وہ پجاری کی حیثیت سے ان میں شامل بھی ہوگئے ہوں گے اور یہ رنگ ان کے کردار کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا ہوگا۔ چنانچہ ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستانی ریت و رواج سے، یہاں کے تہوار اور موسم سے اچھی طرح واقف تھے:

کہے برہمن کے پھاگن مانس آیا سبھوں نے روپ رنگا رنگ بنایا
چلیں بن ٹھن سبھی اپنے مندر سُوں کہ کھیلیں پھاگ جا اپنے سندرسوں

لسانی اعتبار سے افضل کی بکٹ کہانی اہم ہے۔ اسکی زبان سے پتا لگتا ہے کہ اردو ادب ریختہ کے ذرا خام/ غیر موثر اسلوب سے باہر نکل کر ایک تقریباً کامل و اکمل ذریعۂ اظہار بن جانے کی طرف گامزن ہے اور یہ وہ ذریعۂ اظہار تھا جو نصف صدی کے بعد دہلی کی ادبی تہذیب پر پوری طرح چھا گیا۔

گجری اور دکنی کے مقابلے میں افضلؔ کی زبان آج کے شمالی سامع کو بہت کم اجنبی لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سنسکرت کے تت سم الفاظ، تیلگو، مراٹھی یا گجراتی لفظ بہت کم ہیں اور ان کی زبان کا فارسی عنصر بہر حال نمایاں اور مانوس ہے۔ افضلؔ کی لفظیات کا قابل لحاظ حصہ اٹھارہویں صدی کے بزرگ شعرا کے یہاں باقی رہا۔ عصر حاضر کی دہلوی/لکھنوی اردو میں یہ الفاظ خال خال ہیں، لیکن مشرقی اردو میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ فارسی کی مقبولیت اور رتبۂ اعلیٰ نے شمال میں ہندی/ ریختہ کی شاعری کو پھلنے پھولنے سے روکا تو یہ بھی ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ ۱۷۰۰ کے زمانے میں جب دہلی میں اردو کا بول بالا ہونے لگا تو سبک ہندی کے اثر اور مثال نے اس نئے جاندار اسلوب کو فروغ دینے میں بہت مدد کی جسے ولیؔ نے دکن سے لاکر دلی میں متعارف کیا تھا اور شاہ مبارک آرزوؔ اس صدی کے پہلے بڑے شاعر اور نواب صدرالدین فائزؔ شمال کے پہلے صاحب دیوان شاعر بن کر جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ میری اس بات کی تصدیق سلیم احمد کے درج ذیل الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

Scanned with CamScanner

''گوشمالی ہند میں اردو ادب میر و سودا اور ان کے معاصرین کے مترادف سمجھا جاتا ہے، لیکن تحقیقات اردو ادب کی ابتدائی صورتوں کے سراغ میں کئی سو سال پیچھے تک گئی ہیں۔ امیر خسرو کے مطالعے میں فارسی اور ہندی کے ملاپ سے جنم لینے والی ہندوی..... اس انداز کا کلام ہمیں شمالی ہند کے مختلف شعرا کے ہاں نظر آجاتا ہے۔ لسانی اہمیت کی بنا پر ان شعرا میں غالباً محمد افضل افضلؔ بہت نمایاں ہیں۔''

(اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ڈاکٹر سلیم اختر، عاکف بکڈپو دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۹۲)

مالک رام نے تذکرۂ ماہ و سال میں افضلؔ کو جھنجھانوی لکھا ہے اس کے علاوہ سلسلہ اتر پردیش کی کڑی 'مثنوی نگاری' میں علی جواد زیدی نے افضلؔ کو جھنجھانہ کا تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''افضلؔ جھنجھانوی کافی متقدم ہیں لیکن موجودہ صورت میں 'بکٹ کہانی' کی زبان اور طرز بیان بہت رواں ہیں۔ مثنوی کی اندرونی شہادت 'ریاض الشعرا' میں افضلؔ کے حالات کی تصدیق کرتی ہے اور ہر اعتبار سے افضلؔ جھنجھانوی 'بکٹ کہانی' کے مصنف قرار پاتے ہیں۔''

(مثنوی نگاری، علی جواد زیدی، نشاط پریس ٹانڈہ، ۱۹۸۵ء، ص:۱۲۹)

'بکٹ کہانی' کا عروضی سانچہ مثنوی کا ہے اور اسے مثنوی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جاسکتا لیکن ترتیب مضامین اور مزاج شعری کے اعتبار سے یہ ہندی 'بارہ ماسہ' سے زیادہ قریب ہے۔ علی جواد زیدی کا خیال ہے کہ:

''بعض ناقدین اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ اسے مثنوی ہی نہیں مانتے۔ یہ درست نہیں ہے۔ مثنویوں میں مضامین یا ترتیب مضامین کی کبھی پابندی نہیں رہی ہے۔ شدت جذبات فضا کی بازیابی، جزئیات، ماحول و موسم کی گرفت اور مقامی رنگ کے باعث یہ اردو کے ادبی سرمایے میں خاصے کی چیز ہے۔'' (مثنوی نگاری، ص:۱۳۰-۱۲۹)

علی جواد زیدی نے 'بکٹ کہانی' کے موضوع کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:

''عشقیہ مثنویوں میں عشق کا بیان اور اس کا وصف علی العموم لازم کی حیثیت

Scanned with CamScanner

رکھتا ہے، افضلؔ نے بھی اس روایت کی تقلید کی ہے مگر ان کے سوز کا ہندی لہجہ فارسی کے لہجے سے زیادہ پر اثر ہے۔''

(مثنوی نگاری، ص: ۱۳۰)

'بکٹ کہانی' کی ابتدا کچھ اس طرح ہے:

سنو سکھیو! بکٹ میری کہانی بھئی ہوں عشق کے غم سوں دوانی
نہیں اس درد کا دارو کسی کن بھئے حیراں سبھی حکمائے ذوفن
اری جس شخص کو یہ دیولاگا سیانا دیکھ اس کوں دور بھاگا

میرؔ کا فلسفہ عشق اردو ادب میں خاصے کی چیز ہے لیکن افضلؔ کا عشق بھی لائق توجہ ہے:

اری یہ عشق ہے یا کیا بلا ہے کہ جس کی آگ میں سبھ جگ جلا ہے
کہ جس کے بیچ یہ آتش پڑے ری وہی دن رین سلگت وہ پڑے ری
وہی جانے کہ جس کے تن لگی ہے برہ کی آگ تن من میں دگی ہے

ایسی ہی زبان کو دیکھ کر ڈاکٹر مسعود حسین خاں کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ:

''افضل کے بارہ ماسہ کی زبان کا تعلق پانی پت سے نہیں ہے بلکہ اس اردو سے ہے جو آگرے کے بازاروں میں بولی جاتی تھی اور جو شعر کا پیکر اختیار کرنے سے قبل برج بھاشا کے رنگ و آہنگ کو قدرے قبول کر لیتی تھی۔'' (بکٹ کہانی، بارہ ماسہ، محمد افضل، افضل مرتبہ مسعود حسین خاں او رنور الحسن ہاشمی، شعبۂ لسانیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۲، ص: ۳۷)

دور حاضر کے کلاسیکی ادب کے مشہور محقق و ناقد سید محمد عقیل رضوی بھی علی جواد زیدی کے ہم نوا نظر آتے ہیں اور اپنی معرکۃ الآرا تصنیف 'اردو مثنوی کا ارتقا' میں افضلؔ کو جھنجھانہ کا قرار دیتے ہوئے اس کی عظمت و رفعت کے قائل نظر آتے ہیں۔ انھوں نے افضلؔ کی شاعرانہ عظمت کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے:

''جب ہم افضلؔ جھنجھانوی کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو بے اختیار جون کی تپتی ہوئی دوپہر کے بعد ساون کی پھواروں کا مزہ آتا ہے۔ افضلؔ کی بکٹ کہانی خالص ہندوستانی جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ جزئیات اور جذبات کے بیانات بعض اوقات میر حسن کے بیانات پر پہلو مارتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ بکٹ کہانی میں ہندوستان کی سرزمین کی خصوصیات کا اظہار بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے، موسموں کے تذکرے ہیں۔ اوران تذکروں کے ساتھ ساتھ موسمی پرندوں کا بھی مذکور ہے۔ ان کی آوازیں، ان آوازوں کا اثر، ہندوستانی روایات پوری طرح سے ان اشعار میں کروٹیں لے رہی ہیں، کوئل کا کوکنا، مور کا ناچ، پپیہے کی پی کہاں ایک حرماں نصیب برہ کی ماری ہوئی عورت پر کیا اثر کرتے ہیں۔ افضل کی بکٹ کہانی میں یہ قدم قدم پر ملتا ہے۔''

(اردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں، سید محمد عقیل رضوی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء، ص:۶۶)

'بکٹ کہانی' پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے اپنا نقطہ نظر درج ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے:

''بکٹ کہانی میں نہ کوئی پلاٹ ہے نہ کوئی کردار سامنے آتا ہے۔ ایک عورت ہے جو عالم تخیل میں ہمارے آگے جذبات اگل رہی ہے۔ فطرت نگاری اچھی کی گئی ہے۔ یہیں شاعر کی صلاحیتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کہیں کہیں خالق باری کی طرح آدھا مصرع فارسی اور آدھا اردو ہے۔''

(اردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں، سید محمد عقیل رضوی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء، ص:۶۸-۶۷)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا خیال ہے کہ:

''افضل کا بارہ ماسہ جس کا نام بکٹ کہانی ہے، ہجر اور انتظار مسلسل کی ایک طویل نظم ہے جو بے حد موثر ہے اور اول سے آخر تک یکساں طور پر ایک جیسے جذبات واحساسات کا مظاہرہ کرتی ہے۔''

(تاریخ ادب اردو ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، تبسم کاشمیری، ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء ص:۵۲)

کرشن کی خواہش میں جسمانی لذات کے جو تصور رادھا کے رومانس میں ملتے ہیں وہی تصور 'بکٹ کہانی' کی خاتون کے ہاں بھی موجود ہیں۔ 'بکٹ کہانی' میں شیام کا استعارہ تسلسل کے ساتھ ملتا ہے۔ درج ذیل اشعار دیکھیے جس میں شیام کے انتظار میں رادھا جیسی دلی کیفیات ملتی ہیں:

لکھوں پتیاں ارے اے کاگ! لے جا سلونے سانولے سندر پیایا

گیا آسوج کاتک مانس آیا سلونے شیام کو پردیس بھایا
چلی کاتک کی رُت کیا کیجیے ری سلونے بن نہیں اب جیور ہے ری

ہجر وفراق میں گھلتے گھلتے ہولی کا موقع آتا ہے۔ ہولی کے آنے پر برہن کے جذبات کی عکاسی قابل دید ہے:

سلونی سانولی اور سبز گوری سبھی کھیلیں پیا اپنے سے ہوری
بھرے رنگوں کے مٹکے ساتھ سب کے اچھی پچکاریاں ہیں ہاتھ سب کے
گلال اندر بھئیں ہیں لال ساری بجاوے دف پیا کے نال ساری
کہوں ڈھولک کہوں مردنگ باجے کہوں سرمنڈلا اور طنبور گاجے

ہولی کے اس منظرنامے میں 'بکٹ کہانی' کی نازنین ہوک بھرتی ہے:

نہیں تم کوں اے کچھ غم ہمارا کہ مطلق یاد سیں ہم کوں بسارا
پیا بن تجھ نمانی ہورہی ہوں نمانی کیا دوانی ہورہی ہوں

اس نظم میں موسمی تبدیلیوں کے جتنے مناظر دکھائے گئے ہیں وہ براہ راست جنسی خواہش کو تیز کرتے ہیں۔ ان میں چاندنی اور اندھیرے کی تمثالیں موجود ہیں۔ یہ دونوں تمثالیں برہن کی نفسانی خواہشوں کو ابھارتی ہیں۔ جنسی خواہشات کی دبی ہوئی آرزوئیں ان تمثالوں میں ابھرنے لگتی ہیں۔ بادل، بجلی اور بارش جنسی ہیجان کو مزید تیز کرنے لگتے ہیں اور ایسے سارے موسموں میں برہن محبوب کا وصل چاہتی ہے اور وصل کے تلازمات میں لاشعوری طور پر سیج کا ذکر کرتی ہے:

بھئی مجھ سیج بن پیونا گنی رے ستاوے دوسرے نت چاندنی رے
چلا پوس اے سکھی آیا نہ کچھ ہاتھ نہ سوئی سیج پر دلدار کے ساتھ

طویل ہجر کے بعد وصال میسر آتا ہے۔ عشق پر نازاں اپنی سکھیوں سے یوں مخاطب ہوتی ہے:

اری اے بوالہوس یو عشق بازی نہ جانو چوپڑو شطرنج بازی
اری آساں نہ جانو عشق کرنا تمن اس آگ میں ہرگز نہ پڑنا
ہماری بات کو ہانسی نہ جانو محبت خانۂ ماسی نہ جانو
اے یہ عشق کا پھندا بکٹ ہے نپٹ مشکل نپٹ مشکل نپٹ ہے

ڈاکٹر جمیل جالبی نے 'بکٹ کہانی' پر اپنی رائے قائم کرتے ہوئے لکھا:

''پوری نظم میں بیان کی ایسی روانی ہے جیسے جنگل میں بہتے چشموں میں

Scanned with CamScanner

ہوتی ہے۔ لہجہ، آہنگ اور ترنم میں ایک ایسا میٹھا پن ہے جو سچے عاشق کی لذت سے پیدا ہوتا ہے۔ وفا کی گرمی، احساس کو جگانے والا انداز، دل کو مٹھی میں لے لینے والی کیفیت اور عشق و وفا کے مشرقی تصورات کا گہرا شعور اس طویل نظم کو اس دور کی اردو شاعری کا ایک شاہکار بنا دیتی ہے۔''

(تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی، جلد اول، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص:)

'بکٹ کہانی' میں کل ۳۲۵/ اشعار ہیں ان میں فارسی اشعار کی تعداد ۴۱ ہے۔ ایسے اشعار جن میں ایک مصرعہ فارسی کا اور ایک مصرع اردو کا بیس ہیں۔ ایسے اشعار جن کے ایک مصرعہ میں آدھا فارسی اور آدھی اردو ہے بیس ہیں۔ جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ ''جہاں فارسی اشعار آتے ہیں وہاں روانی اور بہاؤ کا زیادہ احساس ہوتا ہے حالانکہ فارسی و اردو اشعار کی بحر ایک ہے۔ فارسی اشعار بھی نظم کا جزو بن کر آتے ہیں اور اثر و تاثیر کو گہرا کر دیتے ہیں، ان کے مقابلے میں اردو اشعار میں اتنی روانی، برجستگی اور بے ساختگی کا احساس نہیں ہوتا۔'' اس کی وجہ جمیل جالبی نے یہ بیان کی ہے کہ ''فارسی روایت، اردو کے مقابلے میں زیادہ جاندار اور پرانی ہے۔ صدیوں کے مسلسل استعمال نے اس میں ایک ایسی رچاوٹ پیدا کر دی ہے جس کی طرف اردو بڑھ رہی ہے۔''

نہ دیدم ہیچ کس را یار غم خوار بجز حق، خواستم زو وصل دلدار
بجز درگاہ تو دیگر پناہم نبود است و بنودہ ، بادشاہم
سکھی میں سوگئی اندر مناجات کشادہ گشت برمن باب حاجات

اور افضل نے اپنے آخری دونوں اشعار میں اس اسلوب کو برقرار رکھا ہے:

خموش افضل ازیں مشکل کہانی کسو نے حدّ اس کی کچھ نہ جانی
بہ یاد دل ربا خوش حال می باش گہے افضل گہے گوپال می باش

شمالی ہند میں ہندی/ ہندوی کی قدیم ترین یادگار جو ہم تک پہنچی ہے، محمد افضل کی مثنوی 'بکٹ کہانی' (۱۶۲۵ء) ہے۔ تین سو پچیس شعر کی یہ مثنوی ہر لحاظ سے ایک بڑا کارنامہ کہی جانے کی مستحق ہے..... محمد افضل (جنھیں افضل گوپال بھی کہا گیا ہے) اگرچہ غالباً صوفی نہ تھے لیکن ان کے عشق کی داستان، اگر وہ صحیح نہیں بھی ہے اور موضوعی ہے، تو بھی وہ اپنی شدت جذبہ، اور وفور شوق اور انجام کے لحاظ سے وہی کیفیت رکھتی ہے جو صوفیانہ/ عشقیہ مثنویوں (مثلاً شیخ احمد کی 'یوسف زلیخا' اور ملا داؤد کی 'چندائن') میں نظر آتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

''ممکن ہے کہ 'بکٹ کہانی' ۱۶۲۵ء سے پہلے کی ہو لیکن ہمارے پاس اس کے بارے میں یہی تاریخ ہے اور وہی محمد افضل کی تاریخ وفات بھی ہے۔'' انھوں نے مزید لکھا:

'' بکٹ کہانی مذہبی یا صوفیایہ کلام نہیں، اور یہ بجائے خود بڑی دلچسپ بات ہے کہ شمال میں اردو کا پہلا کارنامہ جو ہم تک پہنچا ہے، وہ مذہبی/ صوفیانہ نہیں ہے، اگر چہ اس میں کیفیت صوفیانہ کلام کی ہے۔''

(اردو کا ابتدائی زمانہ، شمس الرحمٰن فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مورخین نے افضل کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔ مثال کے طور پر رام بابو سکسینہ نے ۱۹۲۷ء میں انگریزی میں ایک تاریخ ادب اردو لکھی۔ یہ بہت بااثر ثابت ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ (مترجم مرزا محمد عسکری) اور بھی مقبول ہوا۔ اس میں افضل کا نام نہیں، حامد حسن قادری نے اپنی ضخیم 'داستان تاریخ اردو' میں افضل پر ایک مختصر عبارت لکھی ہے، لیکن اس میں کئی اغلاط ہیں۔ محمد صادق نے اپنی انگریزی تاریخ میں ان کا نام تک نہیں لیا ہے۔ علی جواد زیدی نے ساہتیہ اکادمی سے شائع شدہ تاریخ (۱۹۹۳ء) A History of Urdu Literature میں افضل کا ذکر کیا ہے لیکن مختصر، غالباً زیدی نے اس تاریخ میں وہی معلومات پیش کی ہیں جو انھوں نے مثنوی نگاری میں نقل کی ہیں۔ لیکن انگریزی میں لکھی گئی تاریخوں میں زیدی کی تاریخ زیادہ تفصیل سے کلام کرتی ہے۔

گیان چند جین نے اپنی تمام تر توجہ افضل کی اصل شخصیت کا سراغ لگانے پر صرف کی ہے، اور ان کی ادبی قدر و قیمت کے بارے میں وہ کم و بیش چپ ہیں جبکہ درج بالا معروضات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ افضل شمالی کے سب سے اہم رجحان ساز شاعر اور بقول شمس الرحمٰن فاروقی اردو میں بارہ ماسہ کے بھی موجد ہیں۔ (اردو کا ابتدائی زمانہ، ص:۱۲۱)

ہر چند کہ اس نظم کا اردو شاعری کے دور اول سے تعلق ہے، جب زبان بن رہی تھی، اسلوب کا تعین نہیں ہوا تھا اور لہجے میں وقار پیدا نہیں ہوا تھا مگر چونکہ یہ زبان عشق کی زبان ہے اور جمالیات کا ایک تربیت یافتہ مزاج رکھتی ہے اس لیے آج بھی ہمیں غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner